ذات محمدی صلی اللہ علیہ وسلم
تخلیق آدم کا منتہائے کمال

حکیم محمد یحییٰ

اس کائنات میں کرۂ ارض کا مقام کیا ہے؟ عالم کون و فساد سے اس کے رشتہ کی نوعیت اور پھر اس اعتبار سے اس کی حیثیت و اہمیت کیا ہے؟ مزید برآں یہ کہ اس کی تخلیق کیونکر ہوئی اور وہ کون کون سے تکوینی مراحل سے گزری ہے؟

یہ اور اسی انداز کے چند در چند اور مسائل ہیں جو ہمیشہ سے اہل علم و فکر کے غور و تفحص کا مدار و محور چلے آتے ہیں۔ ارضیاتی تحقیق سے ذوق و شغف رکھنے والے ریسرچ اسکالرز نے اپنے اپنے احوال و وسائل کے مطابق ان سوالات کا تشفی بخش جواب معلوم کرنے کے سلسلہ میں قابل قدر کاوشیں کی ہیں۔ اور ان کی بحث و نظر کے نتیجہ میں ادراک و بصیرت کے ایوان میں نت نئے دریچے کھلتے اور تازہ بتازہ، نو بہ نو گیلریاں سجتی رہتی ہیں۔

تحقیق و دریافت کے اس ہمہ گیر سفر میں دنیا بھر کی تقریباً تمام قوموں کے علماء و حکماء نے اپنے تہذیبی رجحانات کی انگیخت پر یکساں جوش و ولولہ سے طویل گام فرسائی کی ہے۔ چنانچہ ان کے اس (Long March) کی بدولت علم و معرفت کی شاہراہ پر حقائق و شواہد کی بے شمار قندیلیں روشن ہوئی ہیں۔ اور وہ آوردہ تجسس کے روشن و تابناک سوتیوں سے حکمت و دانش کے خزانے جگمگا اٹھے ہیں۔

ہم دیکھتے ہیں کہ اکتشاف و انکشاف کے اس عمل میں، احوال و ظروف کی رنگا رنگی اور تہذیبی ذوق کی بوقلمونی کی بنا پر مختلف اقوام و ممالک کے سائنسدانوں کا انداز فکر اور اسلوب تحقیق جداگانہ ہے۔ اور انھوں نے اپنے طور پر الگ الگ پیرائے میں داد تنتیش دی ہے۔ تاہم نتائج اور یافت میں بہت حد تک ہم رنگی موجود ہے۔

مادر گیتی کی کوکھ سے جنم لینے والوں نے کائنات کے مظاہر و ممکنات کو اپنے اپنے جوش و جذبہ اور پھر اسی کے زیر اثر آگے چل کر احترام و عقیدت کا محور بنایا ہے۔ ان مظاہر سے ممکنات کا رشتہ جوڑا ہے اور کرۂ زمین کے تغیرات میں کون و فساد یعنی تعمیر و تخریب کی کار فرمائیوں پر غور و خوض کرکے ارتقائی پیش رفت کی راہیں نکالی ہیں۔ اور اپنی تاریخ کے ہر موڑ پر آنے والی نسلوں کے لئے سنگ میل گاڑتے آگے بڑھتے چلے گئے ہیں۔

موجودہ دور میں تحقیق و باز یافت کے لئے ہمہ نوع آسانیاں فراہم ہوگئی ہیں۔ اور تفتیش کا دائرہ ہمہ رس حیثیت اختیار کر چکا ہے۔ وسائل اور آلات کی فراوانیوں نے دنیا بھر کے علمی و فنی خزانوں سے حقیقتوں کے سچے موتی رول رول کر جمع کر لئے ہیں۔ اور مختلف قوموں اور ملکوں کے تحقیقی سرمایہ، گردش ادوار کی دھول میں اٹے ہوئے اور استداد زمانہ سے دھندلائے ہوئے سائنسی و علمی جواہر افکار کو یکجا کرکے فنکارانہ حسن کے ساتھ اجال کر یہ بکھرے ہوئے موتی ایک لڑی میں پرو دئے ہیں، جس میں اہل علم و خبر کے لئے مزید سہولتیں مہیا ہو گئی ہیں۔

لیکن — ان آسانیوں اور فراوانیوں نے ایک یہ مشکل بھی پیدا کر دی ہے کہ انسانی علم و دانش کی نارسائی کا بھانڈا بیچ چوراہے میں پھوٹ گیا ہے۔ اور اب پوری وضاحت سے یہ بات عالم آشکارا ہو چکی ہے کہ ع

معلومم شد کہ ہیچ معلوم نہ شد !

کائنات کی لاانتہا وسعتوں کی بات چھوڑیئے۔ خود اس کرۂ زمین کے سکنات پر کماحقہ دسترس بھی دور کی بات ہے۔ یہ بیچاری دھرتی ماتا طبیعی اور سالماتی عوامل کے جس دوہرے چنگل میں پھنسی ہوئی ہے اور ان کے بے رحم تحولات جس جس انداز سے اس کی ہیئت و حیثیت پر اثر ڈالتے جا رہے ہیں ان پر قابو پانا تو درکنار اس سلسلہ میں پیش قیاسی بھی مشکل ہو رہی ہے۔ محض طبیعی تغیرات ہی کا رونا نہیں ہے۔ زمین کے داخلی عناصر بھی بری طرح آمادۂ خروج و غلیان رہتے ہیں۔ اور ہمارے جدید اہل علم و ہنر تازہ ترین اکتشافات و ایجادات سے مسلح ہونے کے باوصف ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تصویر بنے بیٹھے رہنے پر مجبور ہیں۔ اور فطرت کی ان سرکش قوتوں پر کنٹرول کرنے کی خاطر خواہ تدبیر کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔

خیر! ان دقیق و عمیق باتوں کو چھوڑیئے۔ ہمیں تو اس مادر گیتی کی آغوش میں پرورش پانے والے انسان کی ماہیت کا علم نہیں ہے۔ کائنات ارضی اور موجودات عالم میں اس کے مقام و مرتبہ کو جاننے پہچاننے اور سمجھنے کا مرحلہ تو بعد میں آتا ہے۔ ہم تو ابھی اتنا بھی طے نہیں کر سکے کہ اس جنس حیوان کے مضمرات کیا ہیں اور اس کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی حیاتیاتی اقدار کی تعیین بجائے خود ایک مسئلہ ہے۔ روح حیوانی کی ماہیت اور عالم خلق و امر سے اس کے تعلق کی کیفیت ہنوز ہمارے حیطۂ ادراک میں نہیں آسکی اس لئے ہم وجود اور اس کی حقیقت سے ابھی ناآشنا ہیں !

عقل انسانی نہ سمجھی آج تک راز حیات
عالم فطرت کے جلوے مسکرا کر رہ گئے

جسد انسانی کی ترکیب عنصری کو عقل و تجربہ کی چھلنیوں میں چھاننے کے بعد بھی ہم اس کے ممکنات و مضمرات کے بارہ میں کوئی قطعی اور حتمی امور دریافت نہیں کر پائے - ابھی تک ہمیں یہی معلوم ہے بقول سعدی :

آدمی زادہ طرفہ معجونیست　　　از فرشتہ سرشتہ وز حیوان
گر کند میل ایں شود بد ازیں　　　ور کند میل آں شود بہ ازاں

افلاطون دنیا بھر کے دانشوروں اور فلسفیوں کا امام اور پیشوا ہے - مشرق و مغرب میں آج بھی اس کی حکمت قدیمہ اور افلاطونیت جدیدہ کے جھنڈے گڑے ہوئے ہیں - اس نے کائنات کے طبیعی اور ماوراء الطبیعی اسرار و رموز پر عقل افروز روشنی ڈالی ہے - تاہم وہ انسان کی حقیقت اور ماہیت حیات کے بارے میں کچھ بتانے سے ہچکچا رہا ہے - اقبال کے بقول :-

تڑپ رہا ہے فلاطوں میان غیب و حضور
ازل سے اہل خرد کا مقام ہے اعراف

اس میں شک نہیں فلاطوں کو ''دانش برھانی،، سے حصۂ وافی ملا ہے - لیکن چونکہ وہ ''دانش نورانی،، سے بہرہ ور نہیں تھا اس لئے عقل و حکمت کے آسمان سے تارے توڑ لانے کے باوجود زمین اور اس کے تکوینی حقائق کے ادراک میں اکثر مقامات پر اس نے ٹھوکر کھائی ہے - اور انسان کی ماہیت کے بارہ میں تو وہ حیرت و بیچارگی کے طلسم ہفتخواں میں الجھا ہوا نظر آتا ہے :-

خرد سے راہ رو روشن بصر ہے　　　خرد کیا ہے ؟ چراغ رہ گزر ہے
درون خانہ ہنگامے ہیں کیا کیا　　　چراغ رہ گزر کو کیا خبر ہے

اصل یہی ہے کہ عقل کی نگاہیں اشباہ و اشباح (شکل وجودی) کا فوکس

تو لے سکتی ہیں ان کے اندر تک نہیں اتر سکتیں۔ اس لئے ان کی حقیقت اور ماہیت کا سراغ لگانے میں ناکام رہتی ہیں۔ وہ بسا اوقات معرفت کی دہلیز تک جا پہنچتی ہیں۔ لیکن درون خانہ جھانکنے سے قاصر رہتی ہیں:

عقل گو آستاں سے دور نہیں — اس کی تقدیر میں حضور نہیں
دل بینا بھی کر خدا سے طلب — آنکھ کا نور دل کا نور نہیں

عقل دوربین یقیناً بڑے کام کی چیز ہے۔ پر دل حق شناس کے آگے وہ بھی پانی بھرتی ہے۔ تعقل محض سے راستہ ضرور روشن ہوجاتا ہے۔ لیکن منزل تک پہنچنے کی سکت کہیں اور سے ملتی ہے:

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

رازی اور زمخشری کی نکتہ آفرینیاں اور موشگافیاں اپنی جگہ لاکھ دانش افروز سہی لیکن قلب صافی اور ضمیر پاک کی نور افزا روشنی کے بغیر حقیقت کے جلوے نظر نواز نہیں ہو سکتے:

فطرت کو خرد کے رو برو کر — تسخیر مقام رنگ و بو کر

قرآن کریم جو صحیفۂ فطرت ہے اور خالق ارض و سماء کی کتاب حکیم بھی، اپنی الہامی صداقتیں اور نورانی آیتیں پیش کرنے کے ساتھ ساتھ عقل و فکر کی صلاحیتیں بھی بروئے کار لانے کی پر زور دعوت دیتا ہے۔ اور نہ صرف کائنات، عالم خلق و امر، ارض و سماء اور مظاہر فطرت وغیرہ کا مطالعہ و مشاہدہ کرنے کو کہتا ہے، خود انسان کی تخلیق اور اس کی حقیقت پر غور و نظر کی ہدایت بھی دیتا ہے۔

ارشاد خداوندی و فی انفسکم افلا تبصرون ! (کیا تم اپنے نفسوں میں جھانک

کر نہیں دیکھتے) کے الفاظ اور پھر ان کے معانی پر غور کیجئے ! نوع انسان کو اپنی حقیقت پر نظر ڈالنے اور نفس انسانی کی حقیقت کو ممکن حد تک سمجھنے کی دعوت کس درجہ بلیغ، معنی خیز اور مؤثر پیرائے میں دی گئی ہے !

ماھو الانسان ؟

جیسا کہ ہم اوپر اشارہ کر آئے ہیں عصر حاضر کی سائنسی ترقیات، فنی پیش رفت، آلات و وسائل کی فراوانی، کمپیوٹروں، کولکیولیٹروں اور انواع و اقسام کے میٹروں کی بہتات کے باوصف انسان اور انسانیت کے بارہ میں ہمارا علم بے حد محدود اور مختصر ہے ۔ قدماء محققین نے اس سلسلہ میں جن طبیعی اور ماوراء الطبیعی حقائق کی نشان دہی صدیوں پہلے کی تھی ہمارے جدید علماء اور سائنس داں اس پر بہت کم اضافہ کر سکے ہیں ۔ عہد نو کے مفتشین علم الانسان کے بعض گوشوں کی چھان بین اور سابقہ اجمال کی تازہ تفصیل سے آگے نہیں بڑھ سکے ۔

اس سلسلہ میں، آج سے چودہ سو برس پہلے قرآن حکیم نے اپنے مخاطبین سے جو بات کہی تھی ۔ قل الروح من امر ربی وما اوتیتم من العلم الاقلیلا (انہیں کہئیے روح، میرے پرور دگار کے امر سے ہے اور تمہیں بہت کم علم و آگہی حاصل ہے) وہی بات آج کے علماء و محققین سے بھی کہی جا سکتی ہے ۔

دانش حاضر میں تجزیہ، تحلیل،تجربہ، مشاہدہ وغیرہ استدلالی و استنباطی امور کی اساس پر علمی دریافتوں کی قلعہ بندیاں عموماً زیادہ عرصہ تک برقرار نہیں رہتیں۔ اور یہ ہماری Rational Approach کا المیہ ہے کہ آئے دن کے نظریاتی تغیرات کی بنا پر ان میں نت نئی دراڑیں پڑتی چلی جاتی ہیں ۔ اور اس طرح ایک ایسا دن بھی آتا ہے کہ ظن و تخمین اور قیاس و گمان کی

سربفلک عمارت دھڑام سے زمین پر آرھتی ہے۔ ان الظن لا یغنی من الحق ؛
گمان و قیاس کی رسائی ایوان صداقت تک نہیں ھوتی۔

علمائے بشریات نے ماھرین طبقات الارض کے اشتراک و تعاون کے ۔
اور فکر و تحقیق کے باھمی مبادلہ کے نتیجہ میں جن حقائق کی سراغرسی
ہے وہ بھی بڑی حد تک محل نظر ھیں۔ بلکہ کائنات، زمین اور انسان
باھمی ربط و تعلق کے بارہ میں جو کچھ کہا گیا ہے اس کا بیشتر حصہ مح
قیاسات پر مبنی ہے۔ ان ھم الا یخرصون یہ لوگ نری اٹکل سے کام لیتے ھیں

ظاھر ہے کہ سائنسی آلات عقلی کاوشوں اور حسابی خاکوں اور جدولو
کے ذریعہ بہت سی نامیاتی و غیر نامیاتی چیزوں کے مختلف پہلوؤں پر معلوما
و اکتشافات کا ڈیٹا تو جمع کیا جا سکتا ہے۔ لیکن اس طومار علم و دانش
سے زلدہ اور پائدار حقیقتوں تک پہنچنا کارے دارد۔ ع

جو شئے کی حقیقت کو نہ دیکھے وہ نظر کیا ؟

ذی روح اور حیاتیاتی تعامل سے متصف اجسام نرے طبعی اور کیمیاوی
استعمالوں سے گرفت میں نہیں آسکتے۔ اس کے لئے بے روح اور ٹھوس کیمیاوی
اعمال یکسر ناکافی ھیں۔ ضروری ہے کہ اپنے حواس و مشاعر کے ساتھ ساتھ
دل بینا کی صلاحیتوں سے بھی استفادہ کیا جائے :

ہے ذوق تجلی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل ! تو نرا صاحب ادراک نہیں ہے

کسی چیز کی کنہ و حقیقت تک رسائی محض عقلی نگاہوں کے بس کی بات نہیں
ہے۔ نرے تعقل سے شئی کی نوعیت کا تو اندازہ ھوسکتا ہے لیکن حقیقت کی
خبر تک نہیں ملتی۔ البتہ اگر عقل و ذھن کی گیرائی کے ساتھ ساتھ وحی

و الہام کے وجدانی علم کی روشنی بھی شریک حال و رفیق راہ ہوجائے تو حقیقت نفس الامری تک پہنچ جانا چنداں مشکل نہیں رہتا:

دل اگر اس خاک میں زندہ و بیدار ہو
تیری نگہ توڑدے آئینہ مہر و ماہ

قرآن حکیم میں تکوین کائنات، تخلیق ارض و سموات اور خلقت آدم کا تذکرہ کئی مقامات پر مختلف پیرایوں میں اور طبیعی اور سائنٹفک انداز سے کیا گیا ہے اور عالم خلق و امر میں انسان کی اہمیت و حقیقت کو خاص طور پر واضح کر دیا گیا ہے۔ تاکہ نہ صرف یہ کہ انسان اپنی حقیقت سے باخبر ہوجائے بلکہ اس سے آگے بڑھ کر اپنے، خلاق عالم اور رب العالمین کی ذات واجب الوجود پر بھی اسے ایمان و اذعان کی نعمت حاصل ہو سکے۔

ایک صاحب علم و نظر مسلمان جب اپنی چشم بصیرت وا کرکے ماہیت وجود پر نگاہ ڈالتا ہے، اور کائنات حیات میں اپنے مرتبہ و مقام کا مشاہدہ کرتا ہے، تو اس کے علم و یقین میں اور بھی اضافہ ہوجاتا ہے، اور جوں جوں وہ اپنے وجود اور اس کے مالہ و ماعلیہ پر دسترس پاتا، اور عالم انفس کے غیر مختتم اور لامحدود ممکنات کا ادراک کرتا جاتا ہے، اس کے ضمیر و وجدان میں ایمان و یقین کی بصیرت افروز اور طمانیت افزا شمعیں روشن ہوتی چلی جاتی ہیں۔

اس امر واقعی کا ابلاغ کئے بغیر ہم یہاں سے آگے نہیں بڑھ سکتے کہ معرفت ذات اور اس کے ذریعے خدا شناسی کا یہ تجربہ (من عرف نفسہ، فقد عرف ربہ) صرف مسلمان حکماء، فلاسفہ اور دانشوروں ہی کے لئے خاص نہیں ہے۔ بلکہ طبیعی علوم و معارف سے تحقیقی ذوق اور مناسبت رکھنے والے ہر ایک انسان کو اس سچائی کا ادراک ہو جاتا ہے اور وہ خلاق عالم کی

حکمت بالغہ پر بے ساختہ و بے اختیار عش عش کر اٹھتا ہے ۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ آدم کی تخلیق میں عناصر اور سالمات کو انتہائی خوبصورت اور بہترین تناسب کے ساتھ یکجا کیا گیا ہے ۔ پھر اسی سلسلہ میں اس کی دانش برہانی اس کمال ہنر کا اعتراف کرنے پر بھی مجبور ہوجاتی ہے کہ انسانی وجود کے اجزاء و مشمولات کو ایک دوسرے سے متحد و مانوس رکھنے کی غرض سے قانون توازن کو پوری مہارت اور چابکدستی سے برتا گیا ہے ۔

صناع ازل کی قدرت تخلیق کا یہ کرشمہ بھی دیکھئے کہ انسانی جسم کے وہ تمام بسائط اور مفردات جو آپس میں ایک دوسرے کی ضد اور قطعی مخالف ہیں، اور ان کے خواص بالکل متناقض اور الٹ ہیں، باہم مل کر ایسے شیر و شکر ہوگئے کہ کسی جسم کی ترکیب یا کسی مادے کی تخمیر میں قوام کی لطافت کا اس سے زیادہ تصور تک نہیں کیا جاسکتا ۔

چار اضداد کی کس طرح گرہ باندھی ہے؟
ناخن عقل سے کھلتا نہیں عقدہ تیرا

اسی طرح خالق کون و مکاں کی عظیم ترین صنعت کا یہ اعجاز بھی ملاحظہ کے قابل ہے کہ انسان کے بدن میں عناصر واجزاء کو بہترین توازن اور حسین تناسب کے ساتھ محض ترکیب دینے پر ہی اکتفا نہیں کرلیا گیا بلکہ اس نوع تخلیق کے تمام جواہر اور اعراض کو اس کی سرشت میں گوندھ دینے کے بعد اس امر کی گنجائش یا یوں کہئے استعداد بھی مہیا فرمادی ہے کہ یہ مخلوق ضرورت کے وقت ہر طرح کے داخلی و خارجی عوامل اور موثرات سے سازگاری پیدا کرسکتی ہے ۔ اور حالات سے مطابقت اختیار کر لیتی ہے ۔

عناصر و جواہر کے اس حیرت انگیز مرکب میں جز طبعی سے مناسبت ہی کی اہلیت نہیں ہے زمان و آوان کے مطالبات سے ہم آہنگی کا داعیہ

بھی موجود ہے۔ اس پر مستزاد ، انسان کی طینت میں وہ تمام خواص اور کیفیتیں خلاقی کے پورے کمال کے ساتھ گوندھ دی گئی ہیں جو اس نوع کی طبیعت اور فطرت کا مقتضی ہیں۔ اور جنہیں اس صاحب ارادہ اور فعال مخلوق کو کرۂ ارض کی باقی تمام مخلوقات پر شرف و امتیاز عطا کرنے کے لئے ضروری ٹھہرایا گیا ہے۔

یہ خواص و خصائل بدن انسانی کے عناصر ترکیبی کے باھمی ٹکراؤ کا نتیجہ ھیں ۔ یعنی وجود آدم کے مختلف اور آپس میں متضاد سالمے اپنے مادہ اور کیفیت کے لحاظ سے ایک دوسرے پر اثر ڈالتے ھیں ۔ اور خود بھی اثر قبول کرتے ھیں ۔ اس باھمی تفاعل سے کیمیاوی طور پر ان کے مواد و کیفیات میں کسر و انکسار کا عمل شروع ھوتا ہے ۔ اور اکسیر و تکسیر کا یہ عمل مختلف اجسام کے اپنے اپنے مشمولات کی نسبت سے بو قلموں اور گونا گوں اشکال پیدا کر دیتا ہے ۔ اور اس طرح ایک ھی نوع، انسان کے، مزاج، انداز، افتاد طبع، اور رجحانات کے اعتبار سے بے شمار پیکر بنتے چلے جاتے ھیں ۔ جن کی مخصوص اوصاف و خصائل انہیں عالم خلق و امر کی دوسری مخلوقات سے افضل و برتر قرار دینے کا موجب ھیں۔ اللہ تعالی نے لقد خلقنا الانسان فی احسن تقویم کے شاندار اور فخر انگیز لفظوں میں اسی حقیقت کا اعلان فرمایا ہے ۔ اور بڑے پرزور اور مؤثر انداز سے کہا ہے کہ

''ہم نے انسان کو بہت ھی عمدہ قوام کے ساتھ ترکیب دیا ہے''۔

اس ارشاد میں نوع انسانی کے خلقی جمال، طبعی کمال، فطری استعداد اور مزاجی شرف وغیرہ ان تمام بنیادی خوبیوں اور خصوصیتوں کی طرف بصیرت افروز اشارہ کر دیا گیا ہے جن سے باقی تمام مخلوقات محروم ھیں ۔ اور جو اس نوع خلقت کے شرف و اختصاص کا مابہ‌الامتیاز ھیں ۔

احسن تقویم کے توصیفی مرکب میں ایک دلنیائے معانی آباد ہے۔ اور
اہر ہے کہ یہاں ہمیں ان پر تفصیلی گفتگو کی ضرورت ہے نہ گنجائش۔
بتہ اس کے سادہ اور فطری مفہوم پر غور کر لینا مناسب ہوگا۔ اور وہ ہے
سن تعدیل۔ لیکن یہ پھر ایک مرکب اضافی ہے۔ جس کی تھوڑی سی
وضیح ضروری معلوم ہوتی ہے۔

سلسلۂ سخن کو آگے بڑھانے سے پہلے ہم یہاں اس حقیقت کو ذہن
شین کرلیں کہ اللہ جل‌شانہ نے اپنے تخلیقی ہنر کے اس مظہر کو کچھ اس
رجہ خوبی اور خوش اسلوبی سے تخلیق فرمایا ہے کہ وہ صرف ارضی مخلوقات
ی میں افضل و اشرف نہیں ٹھہرا بلکہ اپنے خداداد فضل و کمال کی بنا پر
سمائی تخلیقات پر بھی فوقیت لے گیا ہے۔

اس نکتے کی وضاحت شاید یوں کی جائے تو زیادہ قریب الفہم ہو جائے گی
کہ جسم انسانی کے اجزائے ترکیبی کا تناسب و توازن میں کمال، اگر ارضی
خلوقات پر اس کی برتری کا باعث ہوا ہے۔ تو و نفخت فیہ من روحی (اور میں نے
س میں اپنی روح پھونک دی) کا بے مثال اعزاز و اکرام عطا فرما کر خالق
ئنات نے ایسے نوامیس فطرت اور مرکبات سماوی پر بھی تفوق بخش دیا ہے۔

الہامی کتابوں اور آسمانی صحیفوں میں اس یادگار واقعہ کو ثبت کر
یا گیا ہے کہ عناصر تکوینی اور امر ربی کے اس مہتم بالشان مرکب وجود
دم کو اس کے کردگار نے خود ہی بے مثال فخر و مباہات کے ساتھ فرشتوں کے
سامنے پیش فرمایا اور یک گونہ تحدی کے انداز میں انہیں اس کے علمی
عملی فضائل و کمالات کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی۔ فرشتوں نے اس نئی
خلوق کے مقابلے میں اپنے قصور علم کا اعتراف کیا اور ضعف وعجز کے اقراری

ہوگئے۔ تو علیم و حکیم خدا نے انہیں آدم کے احترام میں سجدۂ تعظیم بجا لانے کا حکم صادر فرمایا۔

حق یہ ہے کہ اپنی چند در چند خامیوں اور غلط کاریوں کے ہوتے ہوئے بھی آدمؑ اللہ تعالی کے ہنر تخلیق کا عظیم شاہکار ہے۔ فرشتوں نے اپنی کم نگاہی اور بے بصیرتی سے اس کے اجزاء و عناصر پر، اور ان کی ترکیب و تخمیر پر حقارت و استخفاف کی نظر ڈالی تھی اور بارگہ خداوندی میں ایک جملہ اعتراض کا کہہ دیا تھا۔ جس کی پاداش میں اس نوری مخلوق کو تاریک مٹی کے اس پیکر بے ثبات کے سامنے شکست پندار سے دو چار ہونا پڑا تھا۔

آب و گل سرشتہ کی اس عنصری معجون میں حسن تعدیل کی بدولت توازن کے کمال، تناسب کی نزاکت اور ترکیب میں لطافت نے کچھ ایسی کیمیائی خاصیتیں پیدا کردی ہیں کہ وہ علم و حکمت، فکر و تدبر اور عمل و عزیمت کے اوصاف کا بے نظیر مجموعہ بن گئی ہے۔ فتبارك الله احسن الخالقين (پس مبارک ہے وہ اللہ جو بہترین پیدا کرنے والا ہے)

جو نگاہیں وجود انسانی کے عناصر و سالمات کی تحلیل و تجزیہ میں الجھ کر رہ جاتی ہیں اور جسد اسطقسی سے زیادہ اس کو نہیں سمجھ پاتیں وہ فرشتوں کی مانند آج بھی غلط اندیشی کا شکار ہیں۔ جب تک آدم کے سالماتی پیکر میں روح الہی (امرربی) کی کارفرمائی کا ادراک نہیں کیا جا سکتا نہ تو مقام آدمیت کا شعور ممکن ہے نہ اس کے وجود کے ممکنات کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ انسانی جسم میں امر ربی کے تعامل کے بغیر تدبیر و تسخیر بلکہ ارادہ و عمل تک کی صلاحیت نہیں ہے۔ عنصری تفاعل سے کیمیائی خاصے بے شک ظہور پذیر ہوتے لیکن روح حیات کی کارفرمائیاں شئی دیگر ہیں۔

اپنے مفردات و جواہر کے طبیعی خواص اور عنصری کیمیاء کے زیر اثر

بھی اشرف المخلوقات انسان عموماً غیر پسندیدہ صلاحیتیں حاصل کر لیتا ہے۔ اور شرف آدمیت کے برخلاف انفرادی اور اجتماعی خرابیوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ صحیح ہے انسان بقول یزداں ظلوم بھی ہے جہول بھی ہے۔ جفا پسند و قرار ناآشنا ہلوع و عجول بھی ہے۔ اس طرح وہ پہلے اپنی ذات پھر اجتماع بشری اور آخر میں کرۂ ارض کے لئے تخریب و فساد کا موجب بن جاتا ہے۔ ظہر الفساد فی البر و البحر بما کسبت ایدی الناس، خشکی تری ہر جگہ پر انسانوں کی غلط کاریوں کے نتیجہ میں تباہی و بربادی پھیل گئی ہے۔

تاہم اللہ پاک مدبر الامور ہے۔ اس نے اپنے عدل ربوبیت سے کام لیا اور جس مخلوق کو اس نے احسن تقویم میں حسن تعدیل کے ساتھ جامہ خلقت پہنایا تھا۔ اسے عناصر سفلی کی فتنہ سامانیوں ہی کے حوالہ کردینا پسند نہیں فرمایا۔ بلکہ لطائف علوی کے ذریعے اس کی ذات کو طاغوتی اثرات سے محفوظ رکھنے اور حقیقت انسانیت پر ترقی کی راہیں کھولنے کا بہترین اہتمام کردیا۔ واللہ لطیف بعبادہ و ہو یہدی السبیل اور وہ پاک ذات اپنے بندوں پر بے حد مہربان ہے اور وہی راہ دکھاتا ہے۔

اللہ کریم نے نبوت و رسالت کا نظام اسی لئے قائم فرمایا کہ مخلوق کو اپنے خالق سے کیا ہوا ازلی میثاق یاد دلائے۔ اور صراط مستقیم سے بھٹکے ہوئے انسانوں کو فطرۃاللہ پر واپس لے آئے۔

چنانچہ انسانوں ہی میں سے ایسی برگزیدہ ہستیاں منتخب کرلی جاتی رہی ہیں جو حسن تعدیل کے اعتبار سے اپنے معاصرین کی بہ نسبت ممتاز ہوں۔ اور جنہیں روح الہی سے بھی دوسروں کے مقابلہ میں بمراتب زیادہ مشرف کیا گیا ہو۔ پھر مکتب ربانی کی تادیب اور دبستان وحی کی تلقین کے ذریعہ ان کے فطری جوہر کو اور بھی جلا بخشی جاتی ہے۔ جس کی بنا پر یہ پاکیزہ

اور مقدس شخصیتیں اپنے اپنے مقام اور وقت پر انسان کے طبعی و فطری ارتقا کا مظہر بن جاتی ہیں۔ اور چونکہ یہ لوگ معدل فطرت سے قریب تر ہوتے ہیں۔ ان کے فضائل و محامد بھی شرف انسانیت کے مطابق ہوتے ہیں۔ اسی لئے انہیں صفوۂ بنی آدم سمجھا جاتا ہے۔

یہ انبیاء و مرسلین کی جماعت ہے۔ جو اپنے ابناء نوع کی اخلاقی اصلاح، معاشرتی بہبود اور سیاسی پیش رفت وغیرہ میں بے لوث اور بیش قرار خدمات انجام دیتی ہے۔ انسانی جمعیت میں تنظیم و اتحاد کی شیرازہ بندی کرکے عمل بالخیر اور آئین پسندی کا مربوط و مستحکم نظام برپا کرنا اس کا منصبی فریضہ ہے۔ اور وہ اپنے دور کی تمام فکری و عملی ناہمواریاں دور کرکے طغیان و عصیان کے رجحانات کا خاتمہ کر دیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے مثالی کردار و عمل کا موثر نمونہ پیش کرکے ماحول و معاشرہ کو تمام تر خرابیوں اور کثافتوں سے پاک صاف کر دیتے ہیں۔ اور پوری قوم میں پاکی، پاکبازی اور راست روی کا چلن عام کر دیتے ہیں۔ اس طرح ظلم و جہل کی زبوں کاریوں سے کھویا ہوا شرف آدمیت ایک بار پھر بحال ہو جاتا ہے۔ اور قافلہ انسانیت امن و عافیت کی راہ پر آگے بڑھنے کے لئے ازسر نو تازہ دم ہو جاتا ہے۔

ہمارے محبوب و مطاع حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالی علیہ و آلہ وسلم انبیاء و رسل کے اسی صفوۃ الصفوہ گروہ کے سر خیل ہیں:

فانہ، شمس فضل ہم کواکبہا　　یظہرن انوارہا للناس فی الظلم

(آپ اس آسمان فضیلت کا چمکتا ہوا سورج ہیں۔ جس پر انبیائے سابقین ستاروں کی طرح آپ کے نور کی روشنیاں پھیلاتے اور انسانوں کے دلوں کی تاریکیاں دور کرتے رہے ہیں۔)

آپ کو آدم کی ساری اولاد پر سرداری کا فخر حاصل ہے۔ کہ آپ کے وجود گرامی میں نوع آدم کا تخلیقی کمال اپنی آخری حد کو پہنچ گیا۔ آپ کا ارشاد ہے۔ انا سید ولد آدم ولا فخر۔ میں تمام اولاد آدم کا سردار ہوں لیکن یہ کوئی فخر کی بات نہیں ہے۔ (اس لئے کہ عنصری ترکیب میں حسن تعدیل کا بے مثال شہکار ہونے کے باوصف اس انسان کامل کے نزدیک شرف و امتیاز کا مدار و انحصار امر ربی پر ہے!)

آپ کائنات انسانیت کی کتاب ارتقاء کے حرف آخر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اور کسی محدود زمانے یا مخصوص گروہ کی اصلاح و تادیب پر مامور نہیں۔ بلکہ قیامت تک پوری انسانی برادری ''کافۃ للناس'' کی ہدایت و رہنمائی کے عظیم منصب پر فائز ہیں۔ اور آنے والی تمام نسلوں کی فکری و عملی تطہیر اور تزکیہ و یعلمهم الکتاب و الحکمۃ و یزکیهم آپ ہی کے ذمہ ہے:

گشت او مبعوث تا روز شمار　　　از برائے کل خلق روزگار

حضور عالم انسانیت کے سب سے بڑے محسن و مربی ہیں۔ جنہوں نے نوع انسان کو ظلم و جہل، کفر و طغیان اور نفاق و افتراق کی اضطراب انگیز تاریکیوں سے نکال کر عدل و علم، ایمان و اطاعت اور اخلاق و اتحاد کی سکون آفریں روشن اور جگمگاتی ہوئی شاہراہ پر ڈال دیا ہے۔ اور اس دنیا میں جسد عنصری کو امن و عافیت کی طمانیت سے شاد کام اور آسودہ کرنے کے علاوہ اس کی روحی تمثال کو آخرت میں اللہ رب العزت کی رضا اور وصال و خلود کی ایسی پرمسرت نعمتوں اور بخششوں سے لطف اندوز ہونے کا اہتمام فرما دیا ہے۔ جن کی کیفیت بیان کرنا تو بہت دور کی بات ہے ان کا تصور بھی ممکن نہیں۔ اور یہ سب اس ذات قدسی صفات علیہ افضل التحیات کی بدولت ہے جیسے کردگار عالم نے اولاد آدم (جس میں انبیاء و مرسلین، اولیا و شہدا، صالحین،

علماء، حکماء، فلاسفہ، طبیعین، امرا و سلاطین وغیرہ ہر طبقے کے اکابرین شامل ہیں) کی سرداری و سربراہی عطا کی ہے۔

امام رسل پیشوائے سبیل　　امین خدا مہبط جبرئیل
شفیع الوریٰ خواجۂ بعث و نشر　　امام الہدیٰ صدر دیوان حشر

آپ اپنی خلقت ہی کے اعتبار سے پوری انسانیت کے سرتاج نہیں خلق و فطرت کے لحاظ سے بھی ساری نوع انسانی میں سب سے بڑھ کر عظیم و جلیل ہیں۔

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادی سینا
نگہ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰس وہی طٰہٰ

حسن تعدیل میں اس درجہ کامل اور مکمل بلکہ مثالی پیکر، پوری انسانی تاریخ میں نہ کبھی ان سے پہلے منصۂ شہود پر آیا تھا۔ نہ آپ کے بعد کسی کے عالم وجود میں آنے کی ضرورت باقی ہے۔

ما یخلق الرحمن مثل محمد　　ابداً و علمی انہ لا یخلق

آپ کے نوری پیکر میں سالماتی ترکیب کے باوجود کسی عنصری اور طبیعی ثقل یا کثافت کا نام و نشان تک نہیں تھا۔ شفافیت اور لطافت کی انتہا یہ ہے کہ وجود پاک کا سایہ تک معدوم تھا۔ اور روح منور کی نورانیت کا تو مذکور ہی کیا ہے!

جسد اطہر جمال بشریت کا آئینہ دار تھا تو نفس مزکی کمال لطافت کی تنویر۔ احسن الخالقین نے آپ کی طینت پاک کو حسن تعدیل کے منتہائے کمال تک پہنچا دیا تھا۔ سچ ہے:

هر چه اسباب جمال است رخ خوب ترا
همه بر وجه کمال است کما لا یخفیٰ

انبیاء و رسل کے برگزیدہ طبقے کو ویسے بھی عام ابناء نوع کی بہ نسبت بہت سے اخلاقی محاسن اور انسانی فضائل کچھ زیادہ ہی فراوانی سے عطا کئے جاتے ہیں لیکن حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو چمنستان انسانیت کے ان گلہائے سرسبد کے مقابلہ میں بھی کہیں زیادہ افضل و برتر خصائص ودیعت فرمائے گئے تھے۔ وانك لعلی خلق عظیم اور بے شک و شبہہ آپ اوصاف و اخلاق میں سب سے زیادہ عظیم ہیں۔

عقل دور اندیش می داند کہ تشریفے چنیں
ہیچ دیں پرور ندید و ہیچ پیغمبر نیافت

چونکہ آپ صلی اللہ تعالی علیہ وسلم کو تمام اقوام عالم کی قیادت عظمی کا منصب جلیل سونپا گیا تھا۔ اور پھر آپ کی بعثت تاریخ اقوام و ملل کے اس دور میں ہوئی تھی جب کہ عالم انسانیت اپنے بھر پور شباب کو پہنچ چکا تھا۔ اور اس کا شعور انسانیت پختہ ہوگیا تھا۔ اور اب مشیت الہی حضرت سید الاولین والآخرین کو جو امام الانبیاء والمرسلین تو تھے ہی، خاتم النبیین بنا کر ان کے توسط سے اولاد آدم کو اپنی آخری کتاب ہدایت عطا فرما دینا اور آئندہ کے لئے سلسلہ رسالت کو ختم کردینا چاہتی تھی۔ اس لئے ضروری اور فطری امر تھا کہ آپ کو آدمیت کے فضل و کمال کی تمام تر خوبیوں اور اوصاف سے مزین و مشرف کردیا جائے۔

هر رتبہ کہ بود در امکاں بر اوست ختم
هر نعمتے کہ داشت خدا شد بر او تمام

خلق عظیم کے الہامی الفاظ میں یہ حقیقت بھی مضمر ہے کہ خلقت میں حسن تعدیل اور کمال اعتدال کے مرتبہ پر فائز ہونے کی بنا پر فطری

طور پر آپ کے اوصاف و محاسن سب انسانوں کے مقابلہ میں ممتاز منفرد اور مخصوص نوعیت کے تھے۔ اور شرف انسانیت کے یہ خصائص بطور اختصاص، صرف آپ ہی کی ذات گرامی میں پائے جاتے تھے:

ماہ فرو ماند از جمال محمد سرو نہ روید باعتدال محمد

تاریخ بشریت میں اس درجہ کمال و اعتدال کے اوصاف و اخلاق آپ کے سوا، کسی دوسرے انسانی وجود میں اتنی جامعیت اور کمال کے ساتھ نہیں ملتے۔ ایسا لگتا ہے کہ مصور ازل نے صفحہ ہستی پر آپ کا پیکر جمال مرتسم و منقش کردینے کے بعد اپنا موقلم توڑ ڈالا تھا:

نہ تھا پہلے نہ اب ہے اور نہ ہوگا روز محشر تک
جہاں میں ثانی خیرالبشر کوئی بشر پیدا

حضور سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو خصائص بشری اور فضائل انسانی کے سلسلہ میں تکمیل و جامعیت کا جو مقام رفیع عطا ہوا ہے وہ نہ تو کسی اور نبی و مرسل کے حصے میں آیا ہے اور نہ کوئی بشر اس کی رفعت و عظمت کا قرار واقعی اور کماحقہ اندازہ کر سکتا ہے۔ یہ واقعہ ہے کہ بہت سے علماء سیرت نے حضور سراپا نور علیہ الصلوۃ والسلام الی یوم النشور کے خصائص و فضائل پر جداگانہ اور مستقل بالذات کتابیں مرتب کر ڈالی ہیں۔ لیکن جب صورت احوال یہ ہو ، جس کی اوپر نشاندھی کی گئی ہے، تو ظاہر ہے کہ محامد و محاسن رسول کا بیان و تبیان ما و شما کے بس کی بات نہیں ہے۔ واللہ در صاحب‌البردۃ حیث ما قال:

فاق النبیین فی خلق و فی خلق ولم یدانوہ فی علم ولا کرم
و ان فضل رسول اللہ لیس لہ، حد فیعرب عنہ ناطق بفم

مختصر یہ کہ انبیائے سابقین کے مجموعی اوصاف و کمالات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات عالی میں پورے اتمام و اکمال کے ساتھ جمع کر دئے گئے تھے۔ حسن یوسف، دم عیسی اور ید بیضاء پر ہی بس نہیں۔ اخلاقیات کی اساس، حکمت، شجاعت، عفت اور عدالت، پھر ان پر مستزاد اور بہت سی خوبیاں آپ کے پیکر قدسی میں اشعہ نور بنا کر سمودی گئی تھیں۔

آنچہ بنازند ازاں دلبراں   جملہ ترا ہست و زیادت برآں

انہی خداداد صفات کمال کی بدولت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ربع صدی سے بھی کم مدت میں دنیا کی جاہل ترین، اجڈ، سفاک، حمیت جاہلیہ میں مبتلا، انتہا کی ضدی، بلا کی سرکشی، بے راہ رو اور گمراہ قوم کو ہر طرح کے جسمانی، روحانی اور اخلاقی عوارض و مفاسد سے پاک و منزہ فرما کر تاریخ انسانیت کی بہترین قوم بنا دیا، بلکہ اقوام عالم کی صلاح و فلاح کے مشن پر لگا دیا۔

خود نہ تھے جو راہ پر اوروں کے رہبر بن گئے
کیا نظر تھی جس نے مردوں کو مسیحا کر دیا

★★★★